احسن علی خان
پی ایچ ڈی سکالر، شعبۂ اردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر طارق محمود ہاشمی
استاد شعبۂ اردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

غزل کے نظری مباحث اور دنیازاد

Ahsan Ali Khan
Phd Scholar, Urdu Department, G.C. University, Faisalabad
Dr. Tariq Mehmood Hashmi
Associate Professor, Urdu Department, G.C. University, Faisalabad

Theoretical Discussion of Ghazal in "DUNYAZD

"Dunyazad", the book series published under the editorship of Asif Farukhi possesses a unique status. It was initiated in October 2000 from Idara-e-Shehrzad Karachi. In October 2019, Book No. 48 was published. The thoughtful editorials of "Dunyazad", fine translations of world literature, thought provoking writings of genius writers, beautiful poems, suggestive stories and the Ghazals of sublime creative level which are in harmony with the contemporary demands, are behind the popularity of "Dunyazad". As far as the genre of Ghazal and "Dunyazad" are concerned, critical articles on creative Ghazal as well as Urdu Ghazal can be seen on the pages of "Dunyazad". In these articles, where one gets an impression of opposition of Urdu Ghazal by some of the critics; some critics have penned down in favour of Urdu Ghazal as well. It feels that "Dunyazad" has played its part in the survival of the genre of Urdu Ghazal.

Key Words: *Book Serial, Dunyazad, Asif Farukhi, Urdu Ghazal, Critic Articles, Theoretical Topics.*

شعری اصناف کا ارتقا اور تسلسل جہاں ان کے تخلیقی عمل سے وابستہ ہے، وہاں ان نظری مباحث کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جنھیں اہلِ نقد نے اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ کتابی سلسلہ "دنیازاد" میں اس اعتبار سے شاعری کا تخلیقی اثاثہ بھی شامل ہے اور بعض اہم نظری تنقیدی مباحث بھی۔

شاعری کے لیے مختص صفحات میں طبع زاد اردو منظومات کے ساتھ ساتھ مقامی اور عالمی زبانوں سے ترجمہ شدہ اردو نگارشات بھی شائع کی جاتی ہیں۔ جہاں تک غزل کا تعلق ہے تو اردو شعرا کی غزلیات "دنیازاد" کا

حصہ ضرور بنتی ہیں مگر اس سلسلے کے مجموعی مزاج سے محسوس ہوتا ہے جیسے اس کے مرتب کی ترجیحات میں غزل کو قدرے کم اہمیت حاصل ہے۔ اس کی عکاسی "دنیازاد" کے اداریوں میں ہوتی ہے جہاں سب سے کم بات غزل پر کی گئی ہے۔ "دنیازاد" کے تنقیدی حصے میں اگرچہ صنفِ غزل کی حوصلہ شکنی کرنے والے بعض مضامین شامل کیے گئے ہیں لیکن بعض ایسے اہم مضامین ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں جو اس صنف کے معاصر نظری مباحث میں نہایت اہم ہیں۔

یہ پہلو حیرت افزا ہے کہ "دنیازاد" کے مرتب آصف فرخی کی تحریروں سے بعض تحفظات کا عندیہ ملتا ہے اور انھیں غزل کی فراوانی کھٹکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ہر چند انہوں نے کہا ہے:

" غزل سے مجھے خدا واسطے کا بیر نہیں۔ میری آنکھ کا تارا ہے۔ جگ جگ جیئے"[1]

لیکن یہ امر عجیب ہے کہ انھیں " افسانے کا دھڑکا" مستقل لگا رہتا ہے کہ غزل کی مقبولیت افسانے کے فروغ میں رکاوٹ نہ بن جائے۔ ان خیالات کے تناظر میں یہ سوال نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ کیا کوئی صنف کسی دوسری صنف کے فروغ میں رکاوٹ یا معاون بن سکتی ہے یا ہر صنف کے وجود کا اعتبار اس کے اپنے تخلیقی تسلسل سے قائم ہوتا ہے؟

"دنیازاد" میں اُردو غزل پر جو تنقیدی مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر ایسے مضامین ہیں جو اُردو غزل کی صنفی شناخت اور تخلیقی ارتقا پر مبنی ہیں اور اہل نقد نے بعض بنیادی سوالات قائم کرتے ہوئے ان پر جامع بحث کی ہے۔

صنفِ غزل کیا ہے؟ وہ کون سے مضامین کی حامل ہونی چاہیے؟ کیا شاعر اس صنف کے تقاضے پورے کر رہے ہیں؟ غزل کی معاصر ادب میں کیا اہمیت ہے؟ اس اہمیت کا عصری تخلیق کاروں کو کس حد تک ادراک ہے اور وہ غزل کے صنفی تقاضوں کی تکمیل کن اسالیب سے کر رہے ہیں؟

مذکورہ سوالات کے پیشِ نظر ناقدین نے زور دیا ہے کہ غزل کو اپنے معاصر زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ لیکن اس کی اصل مجروح نہ ہو۔ زبان کی صفائی اور مقامی محاورے کا بر محل استعمال عمدہ ہو۔ شعر کا مضمون عقلی دلالت کے ساتھ اپنا ابلاغ کرتا ہو۔ شعر میں تہہ داری اور رمزیت پائی جاتی ہو۔

"دنیازاد" کی کتاب نمبر ۱۱ میں فہمیدہ ریاض نے "غزلستان" کے عنوان سے ایک دلچسپ تنقیدی مضمون رقم کیا ہے جس میں مصنفہ نے افسانوی انداز اپناتے ہوئے اُردو غزل کے ارتقا پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ ایک منظر کھینچتی ہوئے اُردو غزل کا سفر بیان کرتی ہیں۔ وہ دکھاتی ہیں کہ کس طرح وہ شہر غزل میں جاتی ہیں۔ یہ دیار جو

دیکھنے کو ایک چھوٹا سا شہر مگر آبادی کی گنجائی رکھتا ہے۔ کہیں حسینائیں ہیں تو کہیں قلندر نما بزرگ ہیں۔ کہیں فقیر ہیں تو کہیں دستار بند خوش نصیب۔ کہیں بہاریں ہیں تو کہیں خزاں کی تباہ کاریاں یہ تمام غزل کے مضامین ہیں۔ جن کو نبھانے کے لیے قافیہ ردیف ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ اُردو کے جملہ مصادر دست بستہ کھڑے ہیں اور التجائیں کر رہے ہیں کہ نکتہ انتخاب ہم پر ہی پڑے۔ اور شعرا ہیں کہ ان کو شعر میں استعمال کرتے ہیں۔ پھر مٹا دیتے ہیں۔ کہیں مطمئن ہوتے ہیں تو کہیں اطمینان نہیں ہو پاتا۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ شعر وہ ہے کہ جس پہ رمزیت و ایمائیت کا اطلاق بھی ہو۔ ابہام نہ ہو۔ واضح مضمون کو خوبصورت و موثر تشبیہات کے ساتھ پیش کیا گیا ہو۔ ان شعرا میں مصنفہ نے عرفی، بیدل، قلی قطب شاہ، ولی دکنی، میر تقی میر، مرزا شوق، غالب، مومن، بہادر ظفر شاہ، حالی، اقبال ،حسرت، جگر، اصغر اور ناصر کاظمی کے نام لیے ہیں۔

مصنفہ کا کہنا ہے کہ ان شعرا نے اُردو غزل کو معیار آشنا بنایا۔ اسے رفعت کی راہ دکھائی، اگرچہ حالی اور جوش نے غزل کی مخالفت کر کے وقت کے شعرا کو نظم گوئی کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ غزل میں اچھی شاعری ناممکن ہے۔ شعرا ایک زنجیر میں جکڑے نہ رہیں اور آزادانہ کسی بھی صنف میں اپنا اور اپنے زمانے کا اظہار کر سکیں۔

جدید غزل پر اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ غیر روایتی مضامین اور عامیانہ انداز غزل میں آ گیا۔ غزل کی خوبیاں مجروح ہوئیں۔ لہٰذا اب ایسی مثالیں خال خال ملتی ہیں کہ عمدہ غزلیں سامنے آتی ہیں۔ ورنہ بیشتر غزلیں تمام شعری لطافتوں سے محروم نظر آتی ہیں۔ اور اگر کوئی نقاد تبصرہ کر دے اور ایسے شعرا کو آئینہ دکھا دے تو وہ برا مان جاتے ہیں۔ مصنفہ کا کہنا ہے۔

> ”غزل سے کئی شعری محاسن رخصت ہو گئے۔ اب گذشتہ کئی برس سے ہمیں ایسی غزل پڑھنے کو مل رہی ہے جو اپنی تمام شعری لطافت اور حسن و خوبی سے محروم ہو چکی ہے۔ حسن تشبیہ، برجستگی، لطف و کنایہ، سوز و گداز، تصویریت غرض ان گنت ایسی خوبیاں ہیں جو غزل میں نظر نہیں آتیں۔“(۲)

مصنفہ کے خیال میں جدید غزل روایت سے کٹ گئی ہے۔ آج کی غزل میں قافیہ اور ردیف معانی کے جلو میں سفر نہیں کرتے بلکہ غزل کے اشعار قافیہ و ردیف کے تعاقب میں ننگے پاؤں دوڑتے نظر آتے ہیں۔ چاہے ان کا

کوئی معنی نکلے یا نہیں۔ یہی وجہ ہے آج کی غزل اندرونی بحران اور شکست و ریخت کا شکار نظر آتی ہے۔ مصنفہ کا کہنا ہے:

"جدید اُردو غزل یعنی وہ غزلیات جو چند عشروں سے ادبی رسالوں میں بہتات سے شائع ہو رہی ہیں ایک طویل عرصہ سے کسی اندرونی بحران اور شکست و ریخت کا شکار نظر آتی ہے۔ کچھ مخصوص وجوہات کے باعث متعدد جواں سال شعرا غزل گوئی کو ہی اپنا ذریعہ اظہار بنائے ہوئے ہیں۔ اور اپنی تخلیقات پر بے لاگ تبصرے سے برا فروختہ ہو جاتے ہیں۔" (۳)

فہمیدہ ریاض نے اس تنقیدی مضمون سے دور حاضر کے غزل گو کو آئینہ دکھایا ہے۔ غزل کے مخصوص مضامین پر سیر حاصل بحث کی ہے اور جدید شعرا کو ان مضامین کی پاسداری کا مشورہ دیا ہے۔ اور غزل کی رمزیت اور ایمائیت قائم رکھنے کا مشورہ دیا ہے۔ لیکن تعصب کی عینک لگا کر۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُردو غزل سے مخالفت نبھائی ہے۔

"دنیازاد" کی اسی کتاب میں اُردو غزل کے متعلق حسن عابدی کا مضمون بھی شامل ہے۔ جو" غزل، نظم اور آئس کریم" کے عنوان سے چھپا ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے عہد حاضر کے غزل گو کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ انکا کہنا ہے کہ اس عہد کے شاعر کو کلاسیکی غزل کی روایت کو نبھانا چاہیے جب تک میر و غالب کے ورثے کو نہیں نبھائیں گے اس وقت تک وہ غزل سامنے نہیں آئے گی جو آئسکریم کی مانند تھی۔ جسے چبانا نہیں پڑتا بس ذائقہ زبان میں باقی رہ جاتا ہے۔ جس کا ایک مصرعہ پڑھنے سے دوسرا قاری کے ذہن میں اتر جاتا تھا۔ ان کا کہنا ہے:

"یہ میر و غالب کا ورثہ ہے۔ اسکی علامتیں اور استعارے صدیوں سے ہمارے خون میں تیر رہے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ شاعر جب غزل کا ایک مصرعہ زبان سے ادا کرتا ہے تو دوسرا مصرعہ سامع کے ذہن سے اترنے لگتا ہے۔ بعض اوقات غزل کے بولتے ہوئے مصرعے شاعر اور سامع دونوں کی زبانوں سے بیک وقت ادا ہوتے ہیں۔" (۴)

اُردو غزل پر فہمیدہ ریاض کے تنقیدی مضمون پر انتظار حسین نے تنقید کرتے ہوئے اعتراض اٹھایا کہ ان کے مضمون نے متاثر نہیں کیا۔ بلکہ تھکا دینے والی مشقت چھوڑی ہے۔ انہوں نے فہمیدہ ریاض کے مضمون "غزلستان" کے جواب میں "لو وہ پھر سے چل پڑیں" کے عنوان سے تنقیدی مضمون لکھا۔ جو "دنیازاد" کی کتاب نمبر ۱۲ میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں وہ اس دقیانوسی بحث کے خلاف نظر آتے ہیں۔ جو فہمیدہ ریاض نے

چھیڑی ہے۔ اسے مخاصمانہ تنقید کا نام دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ فہمیدہ ریاض غزل کو صنف اظہار کے طور پر مسترد کر دینے کے موڈ میں ہیں۔ وہ حافظ اور بیدل کی اچھی شاعری کو تو تسلیم کرتی ہیں۔ لیکن جدید غزل گوؤں میں انہیں اچھی غزل دکھائی نہیں دیتی۔ بلکہ وہ اپنے ہم عصروں سے ناراض ہیں کہ اظہار کے لیے صنف غزل کے بجائے نظم کا انتخاب کریں۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے غزل کے خلاف علم بلند کر رکھا ہے۔ انتظار حسین اس کی رائے کو رد کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ فہمیدہ ریاض نے یہ مہم اس وقت چلائی جب یہ تنازعہ پرانا ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب ضرورت نہیں۔ اگر جدید غزل میں خامیاں ہیں تو نظم اور افسانہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ ان کا کہنا ہے۔

> "جہاں تک ہم عصر غزل اور ہم عصر جدید نظم کے درمیان ان کی تفریق کا تعلق ہے۔ میں یہ ضرور کہوں گا کہ بری شاعری محض ہم عصر غزل گوؤں کو استحقاق نہیں۔ ہم عصر جدید نظم بھی اس میں برابر کی حصہ دار ہے۔ عام اور کوڑا کرکٹ تو ہماری ادبی پیداوار کا ایک حصہ عموماً رہا ہے۔ ہم اسے کسی خاص صنف سے چاہے روایتی ہو یا جدید وابستہ نہیں کر سکتے۔"(۵)

فہمیدہ ریاض کے علاوہ خود آصف فرخی نے بھی "دنیازاد" کی کتاب نمبر ۹ میں اپنے مضمون "افسانے کی نئی آوازیں" میں غزل کی مخالفت کی ہے۔ بلکہ غزل گوؤں کو انہوں نے کبوتر کہہ کر پکارا جو ہزاروں کی تعداد میں پھر رہے ہیں۔ اور انہیں "نفسیاتی مریض" کہہ کر پکارا اور کہا کہ جو غزل لکھی جا رہی ہے اس کا تعلق "روایت کے بجائے نفسیات سے ہے اور وہ بھی مریضانہ نفسیات"۔

ان کی اس تنقیدی رائے پر نہ صرف انتظار حسین نے اعتراض کیا اور "غزل کی بحث" کے عنوان سے مضمون لکھا۔ جو "دنیازاد" کی کتاب نمبر ۱۲ میں شائع ہوا۔ بلکہ ابرار احمد اور شناور اسحاق نے بھی خطوط لکھے۔ جو "دنیا زاد" کی کتاب نمبر ۱۱ میں شائع ہوئے۔ انتظار حسین نے کہا کہ غزل پہ بحث آج نہیں ہوئی۔ ایک صدی پہلے سے یہ بحث چل رہی ہے اور ہر دور میں غزل کا دفاع کرنے والوں نے اس کا دفاع پہلے بھی کیا ہے۔ انہوں نے مشتاق احمد یوسفی اور شمیم حنفی کی آرا سے غزل کی مخالفت کرنے والوں کو مدلل جواب دیا۔

ابرار احمد نے "دنیازاد" کے مرتب کو خط لکھا کہ "دنیازاد" میں غزل پر نئی بحث چھڑ چکی ہے۔ ایسی اہم صنف کے وجود پر کیوں اعتراض ہو رہے ہیں۔ غزل کی بزرگی اور عمر پر نگاہ ڈالیں۔ افسانے اور نظم کی ابھی عمر ہی کیا ہے۔ جس کا تحفظ ہو رہا ہے۔ صرف غزل پر ہی ہاتھ صاف کیوں کیے جا رہے ہیں۔ ابرار احمد نے آصف فرخی اور فہمیدہ ریاض کو آڑے ہاتھوں لیا ہے اور کہا کہ غزل گوؤں کو "نفسیاتی مریض" قرار دینا غزل کے ساتھ خدا واسطے کا

بیر ہے۔ اگر عہد حاضر کا غزل گو غزل کے تقاضے پورے نہیں کر رہا تو نظم نگاروں اور افسانہ نگاروں نے بھی تیر نہیں مار لیے۔ کیا وہ حقیقی معنوں میں سماجی ذمہ داری ادا کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے۔

"غزل کو رد کرنا ایک ایسے تہذیبی منطقے کو رد کرنے کے مترادف ہے جس کا ایک اہم عنصر اُردو غزل بھی رہی ہے اور ہے۔ آپ اُردو ادب کی موجودہ صورتحال پر دل گرفتہ ہیں تو افسانہ نگاروں سے اعلیٰ معیار، توجہ اور لگن کا تقاضا کریں۔ نظم نگاروں کو اچھی شاعری کی طرف رغبت دلائیں۔ اور غزل گوؤں سے بھی عصری تقاضوں سے ہم آہنگ اعلیٰ تخلیقی سطح کی غزل کا مطالبہ کریں کہ یہی مناسب طریقہ ہے۔"(۶)

شاور اسحاق بھی ایک خط مشمولہ "دنیازاد" کتاب ۱۱ میں اسی طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ آصف فرخی اور فہمیدہ ریاض کے خیالات کو ناپسند کرتے ہیں۔ آصف فرخی کے لئے کہتے ہیں کہ ایک طرف آپ غزل کی کتابوں کے پیش لفظ لکھ رہے ہیں۔ دوسری طرف "دنیاز اد" میں غزلیں شائع کر رہے ہیں۔ منیز نیازی کی غزلیں دیکھنے کے متمنی ہیں۔ احمد فراز کی غزلوں کو سوغات قرار دیتے ہیں اور مضمون میں غزل کو تنقید کا نشانہ بھی بنا رہے ہیں۔ یہ کھلا تضاد اچھا نہیں ہے۔ وہ فہمیدہ ریاض کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"فہمیدہ ریاض ہماری بہت محترم لکھنے والی ہیں میں ان کی خدمت میں بصد ادب درخواست کروں گا کہ وہ اس فضول بحث میں اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں اپنی تخلیق کاری پر توجہ دیں۔ اگر غزل کے لیے کبھی زندگی بوجھ بن گئی تو وہ بھی رباعی اور قصیدے کی طرح مرنے کے لئے کسی کو زحمت نہیں دے گی۔"(۷)

"دنیازاد" کی کتاب نمبر ۷ ۳ میں شمس الرحمن فاروقی کا ایک مضمون "غزل آباد" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ جو دراصل اشفاق احمد ورک کی مرتب کردہ کتاب "غزل آباد" کا تجزیہ ہے۔ اس مضمون میں وہ اشفاق ورک کی کتاب پر اعتراضات پیش کرتے ہیں۔ ایک تو ہندوستانی شعرا کو شامل نہیں کیا گیا۔ جبکہ عنوان ہے جدید اُردو غزل۔ پھر ہندوستانی شعرا اس جدید اُردو غزل کا حصہ کیوں نہیں بنے۔ دوسرا اعتراض یہ کہ ۱۹۸۰ء کے بعد کے شعرا کو شامل نہیں کیا۔ جن کے ہاں بالکل جدید خیالات ہیں۔ یوں جدید اُردو غزل کی اصطلاح مشکوک ہو جاتی ہے۔ تیسرا اعتراض ان شعرا پر کرتے ہیں جو اس کتاب میں شامل ہیں۔ ان کا اعتراض ہے کہ اگرچہ کلام اچھا ہے۔ مزید اچھا کیوں نہیں ہے۔ ان کی عمریں اچھی خاصی ہو چکی ہیں لیکن اچھی شاعری سے آگے نہیں جا رہے۔ ایک اور اعتراض یہ

کیا ہے کہ ان کے اشعار میں روایتی مضامین نظر آتے ہیں۔ جدت نہیں ہے۔ چند اشعار کی تعریف بھی کی ہے۔ دراصل اس مضمون میں ان کی بحث یہ ہے کہ نیا غزل گو سامنے آنا چاہیے۔ نئے مضامین بھی ہوں اور زبان و مناسبت کا بھی خیال رکھا جائے۔ تب شاعری صاف ستھری ہو گی۔ ان کا کہنا ہے۔

"اس کتاب میں اچھے شعروں کی کثرت ہے لیکن بات وہیں پر آکر ٹھہر جاتی ہے ان نوجوانوں کے بعد والے غزل کے نئے جانباز کب آئیں گے۔"(۸)

تنقید میں اختلافی بحثیں تو ہوتی رہتی ہیں۔ بلکہ بعض اوقات انداز سوقیانہ ہو جاتا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی نے "غزل آباد" پر اعتراضات کیے۔ تو "دنیازاد" کتاب نمبر ۳۹ میں احتشام علی نے فاروقی کے خیالات پر تنقید کی جو ایک حد تک درست بھی ہے۔ وہ اپنے مضمون "غزل آباد اور شمس الرحمن فاروقی۔۔۔۔ چند معروضات" میں ان تمام اعتراضات کا جواب دیتے ہیں۔ جو فاروقی صاحب نے اٹھائے تھے۔ وہ شمس الرحمن فاروقی کے لیے لکھتے ہیں۔

"فاروقی صاحب کی تنقید نگاری کا سب سے بڑا مسئلہ یہی رہا کہ وہ جدیدیت کا علم اٹھانے کے باوجود ذہنی طور پر کلاسیکی شعریات کے زیر اثر رہے اور جدید شعری بیانیوں کو بھی کلاسیکی شعریات کے تناظر میں پرکھنے پر اصرار کرتے رہے۔"(۹)

"دنیازاد" میں صنف غزل کے ساتھ ساتھ غزل گو شعرا پر بھی تنقیدی مضامین شائع ہوئے ہیں۔ شعرا کے فن پر تنقیدی مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ ان مضامین میں میر و غالب پر زیادہ مضامین ہیں۔ میر و غالب اُردو غزل کی بلکہ دنیائے شعر و ادب کی مقتدر شخصیات ہیں۔ میر اور غالب اپنی اپنی صدی کے بڑے شاعر ہیں۔

میر تقی میر کو "سرتاج شعرائے اُردو" بلکہ "خدائے سخن" کہا جاتا ہے اور کوئی بھی ان کی عظمت کا منکر نہیں اگرچہ لوگوں نے اُردو کے بڑے بڑے شعرا کی عظمت سے انکار کیا ہے۔ لیکن میر کی عظمت کے بارے میں سبھی لوگ میر کے ہم خیال ہیں کہ میر کی استادی کا کون معتقد نہیں ہے۔

"دنیازاد" کی کتاب ۹ میں شمس الرحمن فاروقی نے میر تقی میر کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے۔ "میر کا معاملہ" کے عنوان سے ان کا مضمون چھپا ہے۔ جس میں انہوں نے میر کی شاعرانہ عظمت پر روشنی ڈالی ہے۔ اس ضخیم مضمون میں وہ مختلف پہلوؤں سے میر کی عظمت بیان کرتے ہیں۔ میر پر اعتراض کرنے والوں کو بھی جواب دیتے ہیں انکا کہنا ہے کہ اگرچہ میر کے کئی اشعار پہ لوگوں نے اعتراضات کیے ہیں کہ یہ عامیانہ شعر ہیں وہ جواب دیتے ہیں کہ

ان کے کسی شعر کے بارے میں آپ نہیں کہہ سکتے کہ بیکار ہے۔ اگر کوئی کمزور شعر آ بھی جاتا ہے تو جب اسے غزل میں رکھ کر پڑھا جاتا ہے تو وہ بھی ایک معنویت کے ساتھ نظر آتا ہے۔ ان کا کہنا ہے۔

"اب وہی بات سامنے آتی ہے کہ میر کے خراب شعر بھی ہیں تو وہ میر ہی طرح کے ہیں مثلاً میر کے یہاں ڈھیلی سست بندش والا شعر ایک نہ ملے گا۔ نہ ہی میر کے پورے کلیات میں آپ کو دولخت شعر ملے گا نہ ایسا شعر ملے گا جس میں ایک مصرعہ بہت عمدہ ہو اور دوسرا پھسپھسا ہو۔ اسی طرح بھرتی کے الفاظ میر کے اِکا دُکا شعر میں ملیں تو ملیں۔ اس کے لیے آپ کو بہت کاوش کرنی ہو گی۔"(۱۰)

شمس الرحمٰن فاروقی نے محمد حسن عسکری کے میر پر کیے گئے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ ان کے مطابق میر کے اشعار کو سمجھا نہیں گیا۔ بہت سے اشعار کو غلط سمجھا گیا ہے۔ میر کا کلام پڑھنے سے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ بہت سی باتیں اس لیے خلق ہوئی تھیں کہ انہیں میر کے اشعار میں جگہ ملے۔ میر نے تو چھوٹی چھوٹی باتوں سے بڑے بڑے مطالب نکال لیے۔ انہوں نے روزمرہ بول چال کی زبان کو شعر کی زبان کا رتبہ بخش دیا۔ اور روزمرہ کی بے رنگ زندگی کو ماورائی دنیاؤں کے عالم میں بدل دیا۔ ان کے عام اشعار میں مناسبت اور رعایت، رمز و کنایہ، معنی پروری کا وفور ہے۔ اشعار میں عام زندگی کے معاملات، رہن سہن، بات چیت، بحث ومباحثہ اور تنگی و فراخی کو مضمون بنایا گیا ہے۔ ان کا کہنا ہے۔

"اب اس سوال پر کچھ مزید غور ہو سکتا ہے کہ میر نے ہر کس وناکس سے اپنی عظمت کا لوہا کیوں کر منوایا۔ ایک بات تو یہی ہے کہ "خدائے سخن" کا خطاب جو انہیں جمہورِ اُردو نے نئے زمانے سے پہلے عطا کیا تھا۔ وہ بہر حال قائم رہا۔ کسی نے اس بات میں شک کیا ہو تو کیا ہو کہ میر "خدائے سخن" واقعی ہیں کہ نہیں لیکن میر ہمارے عظیم شاعر ہیں۔ اتنا تو انہوں نے بھی تسلیم کیا جو میر کو "خدائے سخن" ماننے میں تردد رکھتے ہیں۔"(۱۱)

"دنیازاد" کی اسی کتاب میں احمد جاوید کا ایک منظوم خراج تحسین بھی چھپا ہے جو انہوں نے میر تقی میر کی عظمت میں لکھا۔ جو "نذر میر" کے عنوان سے شائع ہوا۔ احمد جاوید نے میر کی زمین میں انہیں کچھ یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

"ایسے کب عرفی و ظہیر ہوئے

جیسے شاعر ہمارے میر ہوئے
اس بھی عالم نے ہم پہ تنگی کی
جا کہیں اور گوشہ گیر ہوئے
مصرع ایسے بھلا کہے تو کوئی
ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے"(۱۲)

"دنیازاد" کی کتاب نمبر ۱۸ میں فرحت احساس کا مضمون "میر کا سفر عشق" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس مضمون میں انہوں نے اپنا نظریہ اور موقف دیا ہے کہ اُردو کی عشقیہ شاعری کا حرفِ تعریف اور معراج میر کا شعر عشق ہے۔ اور میر کا شعر عشق جسم و جان اور ماورائے جسم و جان، دنیا و آخرت، حیات و موت کے درمیان ایک جدلیاتی معرکے سے عبارت ہے۔

شمیم حنفی نے بھی میر تقی میر کی شاعرانہ عظمت کو بیان کیا ہے انہوں نے "اُردو غزل میر کے بعد" کے عنوان سے مضمون تحریر کیا۔ جو "دنیازاد" کی کتاب نمبر ۳۲ میں شامل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ الگ بات کہ اُردو غزل نے فارسی سے اکتساب اور استفادے سے بلند مقام حاصل کیا۔ لیکن اٹھارویں، انیسویں اور کچھ حد تک بیسویں صدی کے ممتاز شعرا نے بھی اس کو بامِ عروج پر پہنچایا ہے۔ اُردو کی کلاسیکی غزل بے شک اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اسے میر، مصحفی، غالب، آتش اور داغ نے غیر معمولی اعتبار بخشا ہے۔ بعد میں اقبال نے شعری روایت کو ہی بدل کے رکھ دیا۔ ان کی غزل روایتی غزل سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ اقبال کے ہم عصروں میں شاد عظیم آبادی، فانی بدایونی، اصغر گونڈوی اور حسرت موہانی کی غزل میں ایک نئی حسیت ملتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی زبان و بیان کی یکسانیت، ذہنی تھکن، تخیل کی تکرار اور ایک طرح کی تخلیقی پژمردگی کا عالم چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ شاد عظیم آبادی، فانی اور اصغر نے صنف غزل کے رسمی موضوعاتی اور فکری اور لسانی حدود سے آگے اپنی تخلیقی حسیت کو ایک نئے جہان معنی سے متعارف کروانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن مجموعی طور پر اس صنف کی کہنہ پرستی اور روایت زدگی نے اس کے نام لیواؤں میں دو چار سر پھروں کو چھوڑ کر کسی کی آواز پر کان نہیں دھرا گیا۔ جبکہ نظم کے میدان میں اچھے اور اپنے انفرادی رنگوں سے مالامال نظم گویوں کی ایک بھیڑ لگی ہوئی ہے۔

نظم کی مقبولیت کی وجہ کوئی شاعر کسی کا عکسِ محض نہیں۔ ہر کسی نے اپنی جداگانہ اور منفرد شناخت بنائی ہے۔ جبکہ غزل کے میدان میں انفرادی تشخص گاہے گاہے قائم ہوتا ہے۔ کیونکہ اوسط درجے کے شاعر سے کبھی

کبھار اچھے شعر سرزد ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ بڑی شاعری کرنے سے محروم رہتا ہے۔ جبکہ بڑی شاعری کا حسن وقتی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ میر، غالب اور اقبال کا معاملہ ہے۔ مضمون نگار کا کہنا ہے۔

"غالب کی غزل اور اقبال کی غزل کے آفاق گیر تخیل سے اچھے اچھوں نے اپنا دامن جو بچائے رکھا تو اسی لیے کہ ان دونوں کے تقاضے بہت حوصلہ طلب اور پیچیدہ تھے۔ میر کی پر فریب سادگی نے بہتوں کو اپنی طرف مائل کیا اور صرف اس دھوکے میں کہ میر کے شعور میں غالب جیسی پیچیدگی نہیں ہے۔ اور میر کا رنگ اختیار کرنے کے لیے خالی خولی جذبوں اور احساسات کی جھوٹی سچی نقل سے کام چل جائے گا۔ متعدد غزل گوؤں نے میر صاحب کی دکھائی ہوئی راہ پر اپنے راہوار تخیل کو لگانے کی کوشش کی مگر ان میں سے سب اِکا دُکا ہی کسی منزل تک پہنچ سکے۔"(۱۳)

اُردو غزل پر بات ہو رہی ہو اور غالب کا نام نہ آئے۔ یہ ممکن نہیں اُردو شاعری میں غالب کو جو مقام حاصل ہے اس کی عظمتوں کا اعتراف کرنا بیسویں صدی کے تنقیدی وادبی شعور کی مسلسل کوشش رہی ہے۔ شاید پرانے دور کے شعرا میں غالب وہ تنہا شاعر ہیں جو نقادوں کی توجہ کا مرکز رہے ہیں۔ اور بیشتر نقاد انہیں اُردو کا بہت بڑا شاعر گردانتے ہیں۔ غالب وہ شاعر ہے جو مٹتے ہوئے عہد کا نمائندہ بھی ہے اور نئے جنم لینے والے عہد کا نمائندہ بھی ہے اس نے روایت کو بھی نبھایا ہے۔ اور اپنی ذہانت سے روایت سے انحراف بھی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے وہ ایک انوکھی حیثیت کا مالک شاعر ہے۔ جس نے اپنے بعد کے بھی ادبی شعور کو متاثر کیا۔ اُردو شاعری پر ان کے ہمہ گیر اثرات ہیں۔

تمام ادبی رسائل نے غالب کی شخصیت اور فن پر مختلف مضامین کی اشاعت کی ہے۔ اور غالب کی شاعری کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ "دنیازاد" نے بھی اپنے صفحات میں غالب کو جگہ دی ہے۔ ڈاکٹر آفتاب احمد کا مضمون بعنوان "غالب" دنیازاد کی کتاب نمبر ۱۵ میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر آفتاب احمد اسد اللہ خان غالب کی شخصیت، غزل گوئی اور اُردو غزل پر ان کے اثرات کا تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ وہ غالب کی شخصیت کو رنگا رنگ اور پہلودار قرار دیتے ہیں جو ایک انوکھی انفرادیت کی حامل ہے۔ حیرت انگیز ذہنی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ طبیعت میں خود پسندی اور بلا کی انانیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام روش سے ہٹ کر چلتے ہیں اور شاعری میں بھی عام روایت کو اپنے اوپر مسلط نہیں ہونے دیتے۔ اُردو شاعری میں کلاسیکی روایت کی پیروی چھوڑ کر غزل میں اپنی

شخصیت اور انفرادیت کے اظہار پر زور دیتے ہیں۔ نئی اور منفرد بات نئے اور منفرد انداز میں کرنے کے عادی ہیں۔ ان کے ہاں تازہ شگفتہ استعارے، نئی تشبیہات، نادر ترکیبیں فراوانی کے ساتھ ملتی ہیں۔ اور مزے کی بات یہ کہ سب کچھ روایت سے ہٹ کر ہے۔ غالب کا زمانہ ایک نئی طرز فکر و احساس کو جنم دے رہا تھا۔ غالب نے اس نئی فکر کو نئی زمینوں میں بیان کیا۔ اور کلام میں جدت اور ندرت پیدا کر دی۔ مضمون نگار کا کہنا ہے۔

"غالب کی اس امتیازی شان کا صحیح اندازہ آپ کو اس وقت ہوتا ہے جب آپ اُردو کے قدیم شعرا کا کلام پڑھتے پڑھتے ایک دم غالب کا کلام پڑھنے لگیں۔ یہاں شاعر کے انوکھے رنگِ تخیل اور نرالی طرزِ فکر و احساس نے جس میں گہرائی بھی ہے اور گیرائی بھی، تجربات و معانی کی ایک نئی دنیا آباد کر رکھی ہے۔ یہ دنیا وسیع بھی ہے اور دلچسپ بھی۔"(۱۴)

شمیم حنفی نے بھی غالب کی شعری عظمت کے گن گائے ہیں۔ ان کا مضمون بعنوان "ہر سخن اس کا اِک مقام سے ہے" "دنیازاد" کی کتاب نمبر ۲۰ میں چھپا ہے۔ جس میں انہوں نے کلام غالب کی تفہیم و تعبیر کے مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ غالب کے کلام کو سمجھنا اپنے ادراک، شعور اور جذبوں کی دنیا سے ایک نیا رابطہ قائم کرنا ہے۔ اور یہ کام عمومی قسم کی شرح نویسی سے آگے ہے۔ اور بڑے بڑے شارحین غالب کے کلام کی تفہیم و تعبیر میں ناکام رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے۔

"اصل میں غالب نہ تو صرف زبان و بیان کے شاعر ہیں۔ نہ ہی ان کی عظمت کا سبب صرف ان کی مجرد فکر ہے۔ شعور اور اظہار کے محاسن کا ایسا امتزاج، تفکر اور لسانی تعمیر کے ہنر کی ایسی یکجائی ہمیں اُردو کی شعری روایت میں کہیں اور نظر نہیں آتی۔ غالب انتہاؤں کے شاعر ہیں۔ اپنی فکری دسترس اور اپنے فنی کمال دونوں کے لحاظ سے"(۱۵)

غالب کی شاعرانہ عظمت پر انیس اشفاق نے بھی ایک مضمون لکھا ہے۔ جو "اُردو شاعری غالب کے بغیر" کے عنوان سے "دنیازاد" کی کتاب نمبر ۴۶ میں چھپا ہے۔ مضمون نگار نے مدلل اور منفرد انداز سے غالب کی شاعرانہ عظمت کا محاکمہ کیا ہے۔ انہوں نے دو سوال اٹھائے ہیں کہ اگر اُردو شاعری میں غالب نہ ہوتے تو اس شاعری کا معیار کیا ٹھہرتا۔ اور دوسرا یہ کہ جو شاعری اب تک ہوئی ہے وہ غالب کے بغیر کیا ایسی ہی ہوتی جیسی ہے۔ مضمون نگار نے تمام بڑے کلاسیکی شعرا کے کلام کا جائزہ لینے کے بعد دونوں سوالوں کے مدلل جواب دیئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ میر سے اقبال تک کی بڑی شاعری میں ہمیں وہ دنیا نظر نہیں آتی جو غالب نے اپنی خلاقانہ ذکاوت،

خوبصورت تراکیب اور ظرافت کے ذریعے دکھائی ہے۔ غالب نے اپنی شاعری میں جو دنیا آباد کی ہے۔ وہ انہی کی دنیا ہے۔ اس الجھی ہوئی کائنات کے الجھے ہوئے معنی تک پہنچنے اور انہیں اپنے لفظوں میں استعمال کرنے کا سلیقہ صرف غالب کو آتا ہے۔ مضمون نگار کا کہنا ہے۔

> "دنیا کو ان سب شاعروں نے دیکھا اور خوب دیکھا اور درون کو بھی ان سب نے جانا لیکن دنیا اور درون کو دیکھنے اور جاننے میں جو دانش جویانہ حیرت آوری اور اسرار آفرینی غالب کے یہاں ہے وہ کسی اور کے یہاں نہیں۔ اس لیے میر تا اقبال والے سلسلے میں غالب کے بغیر والی شاعری لفظ آشنا مضمون ساز اور معنی آفریں ہونے کے باوجود بہت سی بصیرتوں اور دنیا کی بہت سی بوالعجیبیوں سے محروم رہتی ہے۔"(۱۶)

اسد اللہ خان غالب کی شاعری اور زبان پر اعتراضات کرنے والوں میں ایک نام ظفر اقبال کا بھی ہے۔ انہوں نے غالب کی زبان میں غلطیاں نکالی ہیں۔ بلکہ ان کی زبان کو اپنے عہد کی زبان کے مطابق پرکھا ہے۔ اور ان کے کلام میں عہد حاضر کی معنویت تلاش کی ہے۔ ساتھ ساتھ عیب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں معنی آفرینی نئی زبان کے استعمال کے بغیر ناممکن ہے۔ ان کے خیال میں بڑا شاعر وہ ہوتا ہے جو زبان کو نیا آہنگ دیتا ہے۔

ظفر اقبال نے غالب کے کلام اور اسکی زبان پر اعتراضات کرتے ہوئے ایک مضمون لکھا ہے جس کا عنوان ہے "ایں گناہ ہیست کہ در شہر شما نیز کنند" اس مضمون پر رفیق معتبر نے اعتراض کیا اور ظفر اقبال کے اعتراضات کے جواب میں ایک مضمون لکھا۔ جو "ظفر اقبال بر غالب" کے عنوان سے دنیازاد کی کتاب نمبر ۴۱ میں شائع ہوا ہے۔ ان کے خیال میں ظفر اقبال پر لسانی تشکیلات اور زبان کے بگاڑ کے متعلق اعتراضات ہیں۔ ان کے ہاں زبان کا ایک من مانا نظام ہے۔ اور وہ اسی دائرے میں رہ کر دوسروں کی زبان پر اعتراضات لگاتے ہیں۔ رفیق معتبر نے ان تمام اعتراضات کا جواب زبان و گرامر کے حوالوں سے دیا ہے۔ جو ظفر اقبال نے غالب کے اشعار پر لگائے تھے۔ مضمون نگار کا کہنا ہے۔

> "ظفر اقبال صاحب کی بات اصولی اعتبار سے غلط نہیں بحث طلب بات "پڑچول" ہے۔ اگر اس سے صرف یہ مراد ہے کہ کسی شاعر کی زبان میں کیڑے نکالے جائیں اور اگر وہ شاعر پرانے زمانے کا ہے تو اس پر یہ تقاضا بھی عائد کیا جائے کہ تو نے ہمارے زمانے کی زبان کیوں نہیں لکھی تو پھر یہ "پرکھ پڑچول" بے معنی ہو جاتی ہے۔"(۱۷)

میر و غالب کے علاوہ دنیازاد میں انور شعور، فراق گورکھپوری، عرفان صدیقی، باصر کاظمی، احمد مشتاق، منشی مظفر علی اسیر اور خلیل الرحمٰن اعظمی پر تنقیدی مضامین بھی شامل کیے گئے ہیں۔ ان مضامین میں ان شعرا کی شاعری کا محاکمہ کیا گیا ہے۔ یہ مضامین اُردو غزل پر تنقیدی علوم میں اہم اضافہ ہیں۔ ان تنقیدی مضامین کے قلم کاروں میں احمد جاوید، انتظار حسین، شمیم حنفی، ظفر اقبال، انور شعور، ابوالکلام قاسمی اور شمس الرحمٰن فاروقی کے نام آتے ہیں۔

احمد جاوید نے انور شعور کی غزل کا بھرپور تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ "دنیازاد" کی کتاب نمبر ۹ میں "انور شعور کی غزل" کے عنوان سے ان کا تنقیدی مضمون شائع ہوا ہے۔ احمد جاوید نے انہیں منفرد شاعر قرار دیا ہے۔ اور وہ انفرادیت ان کے حسن اسلوب سے قیام پکڑتی ہے۔ وہ خیال کے شاعر نہیں ہے بلکہ طبیعت کے شاعر ہیں۔ ان کے شعر میں کیفیت مضمون پر غالب ہے۔ ان کا کہنا ہے۔

> " انور شعور کی غزل ہمیں یہ کہنے کے قابل بناتی ہے کہ طبیعت کے جمالیاتی اقتضا اور تخلیقی داعیے کی کارفرمائی کی کوئی صورت جو ذہن کی شمولیت سے بے نیاز ہو اس روایت سے کٹ کر ممکن نہیں ہے۔ جس کے فنی معیارات، زبان اور شخصیت کی سادہ ساخت سے بھی مطابقت رکھتے ہیں۔"(۱۸)

انتظار حسین نے "دنیازاد" کتاب نمبر ۱۱ میں "فراق گورکھپوری" کے عنوان کے تحت فراق صاحب کے فن کا جائزہ لیا ہے ان کے مطابق "کلچرل لبرلزم" فراق کی فکر و احساس کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کے ہاں ایک نیا طرز احساس ملتا ہے جو کہ اُردو شاعری کی عجمی روایت کو قبول نہیں کرتے۔ بلکہ ہندوستان کی قدیم شعری روایت سے رابطہ قائم کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ انہیں افسوس ہے کہ غزل کی روایت یکسر عجمی رنگ میں رنگی ہوئی ہے اور بڑے شعرا کیلئے لازم تھا کہ اُردو غزل کو عجمیت کے چنگل سے چھڑانے کی کوشش کرتے۔ مضمون نگار کا کہنا ہے۔

> " فراق نے ہندو طرز احساس کے تحت سچے مہذب متمدن ہندو طرز احساس کے تحت جو گہرائی میں جا کر سوچا، محسوس کیا، جذباتی سطح پر بسر کیا، اپنا تجربہ بنایا اس سے وہ آواز ابھری جسے غزل میں نہیں پورے اُردو ادب میں ایک نئی آواز سمجھا گیا۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ اُس آواز کو نہ سنا گیا۔ فراق صاحب نے جو کہا اور لکھا تنقید میں بے شک اسے قابل اعتنانہ سمجھا گیا ہو مگر شاعری کی دنیا میں تو یہ آواز سنی گئی۔"(۱۹)

احمد مشتاق کی غزل میں کلاسیکی رنگ پایا جاتا ہے۔ ان کے ہاں رمزیہ اسلوب ہے۔ اس کی غزل میں ہمارا سامنا جس کائنات سے ہوتا ہے۔ وہ عام انسان کی کائنات نہیں بلکہ شاعر کی اپنی تخلیق کردہ کائنات ہے۔ ان کی غزل میں لہجے کی افسردگی اور داخلی سوز کی کیفیت ہے۔ ان کی شاعری میں نمایاں ترین محرک اور طاقتور کردار وقت اور زمانہ کا ہے۔ وقت اور زمانہ کی نمائندگی کرنے والے الفاظ ان کی پوری شاعری میں بکھرے پڑے ہیں۔ ان کے موضوعات میں عشق کا موضوع غالب ہے۔ لیکن ان کی شاعری کا عاشق نئے عہد کے تبدیل شدہ طرز احساس کا مالک ہے۔ ان کے ہاں جس قدر کلاسیکی شعریات کے عناصر ملتے ہیں۔ انہیں نو کلاسیکی غزل گو کا نام دیا جاسکتا ہے۔ ابو الکلام قاسمی نے "احمد مشتاق کی غزل گوئی" کے عنوان سے مضمون تحریر کیا ہے۔ اس میں انہوں نے ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔

> " فنی اور فکری زاویہ نظر سے احمد مشتاق کی غزل گوئی کے ان رویوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی غزل کیوں کر ان کے غیر معمولی کلاسیکی رچاؤ کا فیضان ہے اور انکے لہجے کی افسردگی میں وقت اور زمانے کا کیا عمل دخل ہے۔ احمد مشتاق فنی نقطہ نظر سے اپنے معاصرین ہی نہیں بلکہ بیش تر متقدمین سے بھی اس اعتبار سے ممتاز اور منفرد ہیں "(۲۰)

انور شعور نے "باصر کاظمی کی شاعری" کے عنوان سے باصر سلطان کاظمی کی شاعری کا جائزہ پیش کیا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے منشی مظفر علی اسیر اور خلیل الرحمٰن اعظمی کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ غزل اور غزل گو شعرا پر شائع ہونے ان تنقیدی مضامین کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جہاں "دنیازاد" نے تخلیقی غزل کی اشاعت پر زور دیا ہے وہیں پہ اُردو غزل پر تحقیقی اور تنقیدی مضامین شائع کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ "دنیازاد" اس قدیم اور تہذیبی صنف کی بقا چاہتا ہے۔ بہت سے ایسے مضامین شائع کیے ہیں جن میں غزل کو ہدفِ تنقید بنانے والوں کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ جو کہ اُردو غزل کی بقا کے لیے "دنیازاد" کا مثبت کردار ہے جس کی داد دینی چاہیے۔

حوالہ جات

۱۔ آصف فرخی، افسانے کی نئی آوازیں، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۹، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہر زاد، جولائی ۲۰۰۳ء، ص ۴۷

۲۔ فہمیدہ ریاض، غزلستان، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۱۱، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہر زاد،

جنوری، فروری ۲۰۰۴ء، ص ۲۰۱

۳۔ ایضاً، ص ۱۹۸

۴۔ حسن عابدی، غزل، نظم اور آئسکریم، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۱۱، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہرزاد، جنوری، فروری ۲۰۰۴ء، ص ۲۰۹

۵۔ انتظار حسین، لو وہ پھر سے چل پڑیں، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۱۲، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہرزاد، جولائی ۲۰۰۴ء، ص ۲۳۰، ۲۲۹

۶۔ ابرار احمد، مکتوب،، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۱۱، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہرزاد، جنوری، فروری ۲۰۰۴ء، ص ۲۹۴

۷۔ شناور اسحاق، مکتوب، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۱۱، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہرزاد، جنوری، فروری ۲۰۰۴ء، ص ۲۹۶

۸۔ شمس الرحمٰن فاروقی، غزل آباد،، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۳۷، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہرزاد، مارچ ۲۰۱۳ء، ص ۸۰

۹۔ احتشام علی، غزل آباد اور شمس الرحمٰن فاروقی۔۔۔ چند معروضات، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۳۹، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہرزاد، نومبر ۲۰۱۳ء، ص ۴۴، ۴۳

۱۰۔ شمس الرحمٰن فاروقی، میر کا معاملہ، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۹، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہرزاد، جولائی ۲۰۰۳ء، ص ۲۷

۱۱۔ شمس الرحمٰن فاروقی، میر کا معاملہ، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۹، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہرزاد، جولائی ۲۰۰۳ء، ص ۲۹

۱۲۔ احمد جاوید، نذر میر، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۹، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہرزاد، جولائی ۲۰۰۳ء، ص ۳۱

۱۳۔ شمیم حنفی، اُردو غزل میر کے بعد، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۳۲، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہرزاد، اکتوبر ۲۰۱۱ء، ص ۴۵

۱۴۔ آفتاب احمد، ڈاکٹر، غالب، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۱۵، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ

شہر زاد، اگست ۲۰۰۵ء، ص ۱۸

۱۵۔ شمیم حنفی، ہر سخن اسکالِک مقام سے ہے، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۲۰، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہر زاد، اگست ۲۰۰۷ء، ص ۱۵

۱۶۔ انیس اشفاق، اُردو شاعری غالب کے بغیر، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۴۶، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہر زاد، جون ۲۰۱۸ء، ص ۳۷

۱۷۔ رفیق معتبر، ظفر اقبال بر غالب، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۴۱، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہر زاد، اکتوبر ۲۰۱۴ء، ص ۲۷۴

۱۸۔ احمد جاوید، انور شعور کی غزل، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۹، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہر زاد، جولائی ۲۰۰۳ء، ص ۲۴۳

۱۹۔ انتظار حسین، فراق گورکھپوری، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۱۱، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہر زاد، جنوری، فروری ۲۰۰۴ء، ص ۳۵

۲۰۔ ابوالکلام قاسمی، احمد مشتاق کی غزل گوئی، مشمولہ، "دنیازاد" کتاب ۴۳، مرتب، آصف فرخی، کراچی، ادارہ شہر زاد، جولائی ۲۰۱۶ء، ص ۳۵۰